

حالی و شبلی کی فارسی غزلیں

PERSIAN GHAZALS OF HAALI AND SHIBLI

نبیل مشتاق

لیکچرار اردو، گورنمنٹ ڈگری کالج کاہنہ نو، لاہور

Abstract:

Altaf Husain Haali is a great literary figure of the sub-continent. He mainly wrote in Urdu but he also excelled in Persian language. It is why he composed in Persian language too. Shibli No'mani was another great scholar who proved his literary mettle in multi genres. He was well versed in Arabic and Persian besides Urdu. Along Arabic and Urdu, he wrote in Persian as well. This article is an introductory study of Persian ghazals written by Haali and Shibli.

Keywords :

حالی، شبلی، سید سلیمان ندوی، فارسی، ہندوستان، اردو، غزلیں، لاہور، پٹنہ

حالی و شبلی شعری دنیا میں اپنی فارسی شاعری کے سبب کم ہی پہچان رکھتے ہیں۔ یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ حالی و شبلی نے اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں شاعری کے رنگ بکھیرے تھے۔ دنیائے ادب میں حالی کی اردو شاعری کے مقابلے میں ان کی فارسی اور عربی شاعری کو بہت کم پذیرائی ملی ہے۔ جبکہ شبلی کی اردو، فارسی اور عربی شاعری کا بھی تحقیقی و تنقیدی نکتہ نظر سے بہت کم ناقدین نے جائزہ پیش کیا ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ حالی و شبلی کی تمام زبانوں کی شاعری کے اہم فنی و فکری پہلوؤں کو منظر عام پر لایا جائے۔ اس زمانے کے ہندوستان میں ایک طرف تو فارسی و عربی شعر و ادب کا رواج بتدریج کم ہو رہا تھا اور دوسری طرف اردو شعر و ادب کا رواج بتدریج زیادہ ہو رہا تھا۔ ان دونوں شاعروں نے اس عہد کے زیر اثر اردو زبان کے علاوہ فارسی اور عربی زبان میں بھی شعری تجربے کیے تھے۔ حالی و شبلی کی تاریخ ولادت میں کم و بیش بیس برس کا تفاوت تھا۔ لیکن دونوں شاعروں کے عہد میں ہندوستان کے شعر و ادب کا منظر نامہ تقریباً ایک جیسا ہی نظر آتا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد ہندوستان کے سیاسی، سماجی، معاشی، مذہبی، تہذیبی، ثقافتی، اخلاقی اور تعلیمی منظر نامے پر بہت سی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی تھیں۔ لیکن ان جملہ تبدیلیوں کا کلاسیکی شعر و ادب پر کچھ خاص اثر نہیں ہوا تھا۔ حالی و شبلی کی ولادت سے پہلے ہی ہندوستان میں فارسی کی جگہ اردو زبان کو سرکاری زبان کا درجہ مل چکا تھا۔ اردو کو سرکاری زبان کا درجہ ملنے کے بعد عربی و فارسی شعرو ادب کی بجائے اردو شعر و ادب کی تخلیق کو زیادہ اہمیت دی جانے لگی تھی۔ شاعری کے کلاسیکی رجحانات، موضوعات اور اصناف میں بڑے پیمانے پر ترقیوں کا آغاز انجمن پنجاب کے مشاعروں سے ہوا تھا۔ حالی و شبلی نے ابتدائی زمانے میں اردو کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی زبان میں بھی شاعری کی تھی۔ حالی و شبلی نے شاعری میں طبع آزمائی کے آغاز سے لے کر اپنی شاعری کے اختتام تک جن شعری اصناف میں طبع آزمائی کی تھی، ان میں غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، قطعہ، رباعی اور ترکیب بند جیسی اصناف شامل تھیں۔ حالی کی فارسی اور عربی شاعری میں غزل، قصیدہ، مرثیہ، قطعہ، رباعی اور شبلی کی فارسی اور عربی شاعری میں غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، قطعہ اور ترکیب بند کی شعری اصناف ملتی ہیں۔ حالی نے اپنی فارسی اور عربی شاعری کا مجموعہ ”ضمیمہ اردو کلیات نظم حالی“ وفات سے کچھ عرصہ قبل اگست ۱۹۱۳ء میں شائع کیا تھا۔ اس مجموعے میں ان کی فارسی اور عربی شاعری کا مکمل انتخاب شامل ہے۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے ”تذکرہ حالی“ میں حالی کی فارسی و عربی شاعری کے اس مجموعے کی ترتیب و اشاعت کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”آخری عمر میں مولانا کی خواہش تھی کہ اپنا سارا منظوم کلام ایک جگہ جمع کر کے نہایت عمدہ اور خوشخط چھپوا دیں... اس کے لیے پہلے تو اپنی ساری پراگندہ اور متفرق نظموں کو ایک جگہ جمع کیا... پھر خیال آیا کہ اردو کلیات نظم سے پہلے جتنا فارسی اور عربی کلام ہے، وہ سب مرتب اور جمع ہو کر شائع ہو جانا چاہیے۔ اس پر آپ نے اردو کلام کی تدوین ملتوی کر کے فارسی اور عربی کلیات کی طرف توجہ فرمائی... مولانا کے عربی و فارسی کلام کا یہ مجموعہ مولانا کے انتقال سے چند ماہ پیشتر اگست ۱۹۱۳ء میں چھپ کر شائع ہو گیا تھا۔“ (۱)

حالی کی تمام فارسی اور عربی شاعری اس مجموعے ”ضمیمہ اردو کلیات نظم حالی“ میں شامل ہے۔ حالی کی فارسی اور عربی شاعری کے اس مجموعے کو ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے ”کلیات نظم حالی“ کی جلد دوم میں ضمیمہ کے طور پر بھی رکھا ہے۔ حالی نے اپنی شاعری کے ابتدائی زمانے میں زیادہ تر فارسی

زبان میں شاعری کی تھی۔ ان کی اس فارسی شاعری میں فارسی غزلوں کی تعداد تقریباً بیس ہے۔ حالی کی یہ غزلیں کلاسیکی رجحانات، اسلوب اور موضوعات کی دلکش تصویر ہیں۔ حالی کے مقابلے میں شبلی نے اپنی فارسی و عربی شاعری کا کوئی ایک مجموعہ بھی اپنی زندگی میں مرتب کر کے شائع نہیں کیا تھا۔ شبلی کی فارسی شاعری کا کلیات تو ”کلیاتِ شبلی فارسی“ کے عنوان سے شبلی کی وفات کے بعد ان کے شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی نے ۱۹۲۵ء میں مرتب کر کے شائع کر دیا تھا۔ لیکن ان کی عربی شاعری کو آج تک کسی مجموعہ یا کلیات کا حصہ نہیں بنایا جا سکا ہے۔ شبلی کے فارسی کلیات کی اشاعت کے متعلق سید صباح الدین عبد الرحمن لکھتے ہیں:

”ان کی وفات کے بعد ان کا پورا فارسی کلام کلیاتِ شبلی کے نام سے دارالمصنفین کی طرف

سے طبع ہوا، ان میں ان کے قصائد، مراثی، غزلیات اور نظمیں ہیں۔“ (۲)

شبلی کی وفات ۱۹۱۴ء میں ہوئی تھی۔ ان کی وفات کے کم و بیش گیارہ برس بعد ان کی فارسی شاعری کا کلیات ”کلیاتِ شبلی فارسی“ کے عنوان سے ۱۹۲۵ء میں منظر عام پر آ گیا تھا۔ سید صباح الدین عبد الرحمن کا اس فارسی کلیات میں شامل شاعری کے متعلق ایسا دعویٰ کرنا کہ ”ان کی وفات کے بعد ان کا پورا فارسی کلام کلیاتِ شبلی کے نام سے دارالمصنفین کی طرف سے طبع ہوا“ حقیقت کا درجہ نہیں رکھتا ہے۔ شبلی کے اس کلیات میں آغاز شاعری کے عہد کی فارسی شاعری شامل نہیں ہے۔ سید صباح الدین عبد الرحمن، شبلی کی دستیاب فارسی شاعری کی بات کرتے، تو ان کا دعویٰ تسلیم کیے جانے کے قابل تھا۔ اس شعری کلیات میں شبلی کی دستیاب فارسی شاعری تو درج ہے، مگر ان کے اولین دور کی فارسی شاعری غائب ہے۔ شبلی ابتدائی دور کی شاعری اپنی ایک بیاض میں محفوظ رکھتے تھے جو شبلی کی زندگی ہی میں چوری ہو گئی تھی۔ شبلی نے اپنے مکتوبات میں ابتدائی فارسی شاعری پر مشتمل شعری بیاض کے چوری ہونے کا واضح الفاظ میں ذکر بھی کیا ہے:

”میری بیاض کا تقریباً آدھا حصہ چوری ہو گیا، نہایت افسوس ہے۔“ (۳)

شبلی کی جو شعری بیاض چوری ہوئی تھی اس میں ایک بڑی تعداد فارسی غزلوں کی بھی تھی۔ شبلی نے وہ غزلیں اعظم گرٹھ اور اس کے گرد و نواح میں منعقد ہونے والے مشاعروں اور مجلسوں میں سنانے کے لیے لکھی تھیں۔ یہ غزلیں شبلی کے ابتدائی دور کی غزلیں تھیں اور ان غزلوں کی مدد سے شبلی کی شاعری کے ابتدائی دور کی کڑیوں کو سمجھا جاسکتا ہے۔ شبلی کے دستیاب فارسی کلیات میں ”دیوان

شبلی، ”دستہ گل“، ”بوئے گل“ اور ”برگ گل“ کا تمام کلام شامل ہے۔ شبلی کے فارسی شعری مجموعوں ”دستہ گل“، ”بوئے گل“ اور ”برگ گل“ میں زیادہ تعداد غزلوں کی ہی ہے۔ شبلی کی یہ غزلیں ۱۹۰۷ء سے لے کر ۱۹۱۳ء کے دورانیے میں لکھی گئی تھیں۔ ان غزلوں کو شبلی کی شاعری کے آخری دور کی تخلیق قرار دیا جاسکتا ہے۔ شبلی نے اس زمانے میں کلاسیکی رنگ تغزل میں غزلیں کہی تھیں۔ حالی و شبلی دونوں شاعروں کی فارسی غزلوں میں کلاسیکی رجحانات، موضوعات اور اسلوب کی جھلک نظر آتی ہے۔ اگر حالی و شبلی کی فارسی غزلوں کو فکر و فن کے اعتبار سے کلاسیکی عہد کی غزلوں کی بازیافت قرار دیا جائے، تو کسی طرح بھی غلط نہ ہو گا۔ حالی خود اپنی فارسی غزلوں کے متعلق لکھتے ہیں:

”یہ غزلیں اسی زمانے کی ہیں جب کہ خیالات میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں ہوا تھا۔ جس قسم کے مضامین غزلوں میں اوپر سے بندھے چلے آئے تھے، اسی روش پر چند غزلیں لکھی گئی تھیں جن کو معدودے چند کے سوا میں اپنے موجودہ خیالات کے موافق پبلک میں پیش کرنے کے لائق نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن بعض احباب کے اصرار سے ان کو اس مجموعے میں شامل کرنے پر مجبور ہوا۔“ (۴)

حالی نے اس زمانے میں فارسی غزلیں ہی اس رنگ اور آہنگ میں نہیں لکھی تھیں بلکہ ان کی اردو غزلوں کا بھی کچھ ایسا ہی رنگ اور آہنگ تھا۔ حالی نے اپنی ان غزلوں میں روایتی موضوعات اور اسلوب کی پابندی کی تھی۔ حالی کی شاعری اور غزلوں کے رجحانات، موضوعات اور اسلوب کی روش میں تبدیلی کا آغاز لاہور میں قیام کے زمانے (۱۸۷۴-۱۸۶۹ء) سے ہوا تھا۔ حالی نے اس زمانے میں پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو لاہور میں نائب مترجم کی حیثیت سے مغربی شعر و ادب کا خاصا مطالعہ کیا تھا۔ جس نے ان کے شعری نظریات اور خیالات میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ حالی انجمن پنجاب لاہور کے جدید مشاعروں میں بھی شرکت کیا کرتے تھے۔ اس نے بھی ان کی غزل اور نظم کے کلاسیکی رویوں میں اہم تغیر برپا کیا تھا، پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو لاہور اور انجمن پنجاب لاہور کے اثرات نے حالی کو قدیم غزل اور قدیم نظم کے سانچے میں جدید رجحانات کو فروغ دینے پر مائل کیا تھا۔ حالی نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں فارسی غزلیں کہنے کے علاوہ کبھی زندگی میں دوبارہ فارسی غزلیں نہیں لکھی تھیں۔ حالی کے برعکس شبلی نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور اور آخری دور میں فارسی زبان میں غزلیں کہی تھیں۔ حالی کے مقابلے میں شبلی کی فارسی شاعری اور غزلوں کی تعداد و مقدار بھی کہیں زیادہ ہے۔

حالی و شبلی کی فارسی غزلوں کا سب سے توانا اور خوبصورت رنگ، ان کا عشقیہ جذبات اور احساسات سے پُر ہونا ہے۔ ان دونوں شاعروں نے کلاسیکی غزل کے صوتی آہنگ اور لہجے میں عشقیہ غزلیں لکھی ہیں۔ حالی و شبلی کی فارسی غزلوں پر عشق و عاشقی، ہجر و وصال اور غم جدائی کے گہرے بادل چھائے نظر آتے ہیں۔ ان کی فارسی غزلوں کو پڑھ کر ایسا گمان غالب آتا ہے کہ ان دونوں نے غزلوں میں اپنی زندگی کے حقیقی اور سچے عشق کے معرکے بیان کیے ہیں۔ حالی و شبلی نے راہ یار کی تمام قلبی وارداتوں اور عشقیہ جذبات کے سبھی رموز و اوقاف کی ترجمانی اپنی فارسی غزلوں میں کردی ہے۔ حالی و شبلی کی غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

شوقی بدوستِ راہنما داشتم چه شد	دردی بہ از ہزار دوا داشتم چه شد
عمریست دل بہ بند پیام وصال نیست	چشمی بہ رہگذار صبا داشتم چه شد (۵)
بی سبب رنجی و گویا گلہ زیبا نبود	طاقتِ جورِ تو در حوصلہ ما نبود
سعی اگر نیست بجا ذوقِ طلب خود چه کم است	رہرو آن بہ کہ ز رفتار شکلیا نبود (۶)
دل نثارِ غمزہ غمازی بایست کرد	آنچه آخر کردم از آغاز می بایست کرد
کارِ عشقِ خوب رویان تا مکرر شیوہ ایست	گرچه صد رہ کردی بد می بایست کرد
در بدمستان اگر زاہد زبان بگشودہ بود	ہم دہان شیشہ می باز می بایست کرد
خود پرستی ہا ترا ای دل بہ عشق آوازہ ساخت	پُر خطر کاری است با ما راز می بایست کرد (۷)

حالی و شبلی نے اپنی فارسی غزلوں میں ایک سچے عاشق کے دلی جذبات اور قلبی واردات کا نقشہ کھینچا ہے۔ حالی و شبلی نے عاشق کے عشق میں مبتلا ہونے سے لے کر وصالِ محبوب تک کے واقعات اور جذبات کو دل موہ لینے والے انداز میں بیان کیا ہے۔ حالی و شبلی کے نزدیک معرکہ عشق میں کامیابی حاصل کرنا کوئی آسان اور سہل کام نہیں ہے۔ مردِ عشق کو منزلِ عشق تک رسائی کے لیے ہجر و فراق کے کٹھن مرحلوں اور اذیتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ عاشق کی زندگی میں قدم قدم پر عشق تلخ و شیریں قسم کے امتحان لیتا ہے۔ عاشق کی نظر و قلب میں اس کا محبوب نرالا اور یکتا ہوتا ہے۔ محبوب کی ادائیں طرح طرح سے دل و نظر پر وار کرتی ہیں۔ محبوب کا وصل، عاشق کے مجروح جذبات کے لیے دوا اور علاج کا کام کرتا ہے۔ عاشق کا دل، محبوب کے حسن، اداؤں اور جلوؤں کا شیدائی بن کر قیدی ہو جاتا ہے۔ عاشق کا دل محبوب کے جلوؤں کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔ عاشق، محبوب کے ایک اشارے پر اپنی جان قربان

کرنے کے درپے ہوتا ہے۔ عاشق کے نزدیک دنیا و کائنات میں اس کے محبوب جیسا کوئی حسین اور خوب رو نہیں ہوتا ہے۔ حالی کی فارسی غزل کے مزید اشعار ملاحظہ ہوں:

در گلستاں بلبل و در انجمن پروانہ ام من بھر جا محو نیرنگ ز رخ جانانہ ام
 محرمیت نیست دل را با ہزاران قرب دوست یار گرم آشنایی ها و من بیگانہ ام (۸)
 حالی نے بڑے دلکش اور مترنم انداز میں محبوب کے حسن و خوبصورتی کے قصیدے سنائے ہیں۔ انھوں نے اپنے محبوب، بلبل کے محبوب اور پروانے کے محبوب کی حسن و رعنائی کو کسی بھی محفل یا بزم کی رونق، جان اور گرمی قرار دیا ہے۔ محبوب کسی بھی محفل اور مجلس میں زندگی بخشنے اور جان ڈالنے کا انفرادی محرک ہوتا ہے۔ عاشق کسی بھی محفل اور بزم میں محبوب کی قربت کا متلاشی ہوتا ہے۔ وہ عاشق چاہے، ایک بلبل ہو یا پروانہ ہو یا ایک عام انسان، محبوب کا وصل اور قربت ہی اس کا اولین نصب العین ہوتا ہے۔ محبوب کے حسن کی ایک جھلک ہی کائنات کی تمام چیزوں کے حسن و رعنائی کو اس کی آنکھوں کے سامنے ماند کر دیتی ہے۔ گل جیسے محبوب کے حسن، ادا اور خوبصورتی کے قصے بلبل کے نغموں کی صورت میں بھی نکلتے ہیں۔ حالی کو محبوب کی بے مہری و زیبائی بھی محبوب کی حسین ادا لگتی ہے۔ حالی کی کم و بیش سبھی فارسی غزلوں میں ایسے ہی عشقیہ مضامین کو جدت ادا، مترنم صوت اور شوخی ادا کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ایسے ہی مرقعوں کے ذریعے دلکش اور شوخ اسلوب کی تخلیق کا کام بھی لیا گیا ہے۔ حضرت مائل، حالی کی فارسی شاعری کے موضوعات اور اسلوب کے متعلق کچھ ایسے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

”چنانچہ کہن سال بزرگوں سے معلوم ہوا کہ مولانا فارسی کہتے تھے اور ایسی کہتے تھے کہ ارباب محفل سے داد سخن لیکر اٹھتے تھے۔ اس زمانے میں ان کا تمام کلام عاشقانہ ہوتا تھا۔ فارسی کلام اُردو سے کہیں زیادہ شوخ ہوتا تھا جس کا سبب یہ ہے کہ فارسی کا اکثر و بیشتر حصہ کلام غدر سے قبل کا ہے اور اُردو کلام زیادہ تر غدر کے بعد کا۔“ (۹)

حضرت مائل نے اپنے اس موقف میں حالی کی فارسی غزل کے متعلق تین چار باتیں بڑی اہم کہی ہیں۔ پہلی بات تو ہے کہ حالی نے اپنی فارسی غزلیں محفلوں اور مشاعروں میں بھی پڑھی تھیں۔ ان غزلوں کی وجہ سے انھیں مشاعروں میں داد سخن بھی ملتی تھی۔ حالی کی طرح شبلی بھی اپنی فارسی غزلیں مشاعروں اور مجلسوں میں پڑھا کرتے تھے اور خوب داد سخن سمیٹتے تھے۔ حالی، دہلی اور اس کے گرد و نواح

کے مشاعروں اور مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ شبلی اعظم گڑھ اور اس کے گرد و پیش میں منعقد ہونے والے مشاعروں اور محفلوں میں شرکت کرتے تھے۔ دوسری بات ہے کہ حالی کی اس زمانے کی تمام غزلیں عاشقانہ جذبات سے لبریز ہوتی تھیں۔

تیسری بات ہے کہ حالی کی اس زمانے کی اردو غزلیں، ان کی فارسی غزلوں کے مقابلے میں کم شوخ ہوتی تھیں۔ حالی کی فارسی غزلوں کا شوخ رنگ موضوعات اور اسلوب دونوں ایوانوں میں نظر آتا ہے۔ حالی کی فارسی غزلوں کے اسلوب میں دلکش، شگفتہ و شائستہ اور نادر و نایاب الفاظ و محاورات، تشبیہات، استعارات اور تراکیب کا استعمال دیکھا جاسکتا ہے۔ شبلی کی فارسی غزلوں میں بھی شوخ و رنگین موضوعات اور اسلوب کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ شبلی کی فارسی غزلوں کا شوخ رنگ، حالی کی فارسی غزلوں کے شوخ رنگ سے کہیں زیادہ گہرا اور گھنا ہے۔ شبلی کی فارسی غزلوں کے اسلوب میں، حالی کے اسلوب سے زیادہ دلکش، خوبصورت، نادر و نایاب اور شگفتہ و شائستہ الفاظ و تراکیب، تشبیہات، استعارات اور محاورات کا استعمال نظر آتا ہے۔ حالی و شبلی کی غزلوں کے اشعار دیکھیے:

یار باتت گرت جذبہ گیرانی ہست	یوسف آخر رود آنجا کہ زلیخائی ہست
می پسندی کہ ز بزم تو نخل بر خیزم	بہ سخن گر نتوان آمدن ایمانی ہست (۱۰)
گردم از مدحت شیراز و صفاحان زدہ ام	شرم بادم کہ نواہای پریشان زدہ ام
بہمئی بود مرا منزل مقصود و عبث	پیش ازین گام طلب در رہ حرمان زدہ ام (۱۱)
عارف از کنکش رد و قبول آزادست	یوسف آن نیست کہ در بند خریدار بماند
مژدہ گوید مقیمان در می کدہ را	کز جھان ر فتم و از من می و زتار بماند (۱۲)

حالی و شبلی دونوں کی غزلوں کے ان اشعار میں دلکش، رنگین اور شگفتہ الفاظ و تراکیب، تشبیہات، استعارات اور محاورات کا استعمال تو ملتا ہے، لیکن شبلی کی فارسی غزلوں کے اسلوب میں زیادہ دلکشی اور شگفتگی کا احساس پایا جاتا ہے۔ حضرت مائل کی چوتھی اور آخری بات ہے کہ حالی زمانہِ غدر سے پہلے فارسی شاعری کرتے تھے۔ اس حساب سے حالی کی فارسی غزلیں تحریکِ آزادی سے پہلے کی تخلیق ہیں۔ جبکہ تحقیق کے مطابق شبلی کی تمام فارسی شاعری تحریکِ آزادی کے بعد کے زمانے کی تخلیق ہے۔ شبلی کی ولادت ہی ۱۸۵۷ء میں ہوئی تھی اور انھوں نے شعر و سخن کی دنیا میں بہت بعد میں قدم رکھا تھا۔ حالی کی تحریکِ آزادی سے قبل کی اردو اور فارسی غزلیں ان کی شوخ طبیعت اور جوانی کے جذبات

کی عکاس ہیں۔ حالی کی تحریکِ آزادی کے بعد کی اردو غزلوں میں شوخ رنگ نادر و نایاب ہو گیا تھا۔ شبلی نے اپنی فارسی غزلوں میں کسی بھی لمحے شوخی، رنگینی اور رعنائی کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا تھا۔ ان کی آغاز شاعری اور آخری زمانے کی دستیاب اردو اور فارسی غزلیں اس کی بہترین مثال ہیں۔ شبلی کی فارسی غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

حُسنِ جانِ پرورِ روزِ بروزِ افزون بود تا بجایی کہ اندازہ گفتار گذشت
 نہ ہمیں دل کہ ہم از خویش، نھان داشتہ ام ماجرای کہ میانِ من و آن یار گذشت (۱۳)
 ابروانِ خنجر و گیسوی فروہشتہ کند ترک شوخی است ز میدانِ دعا می آید
 بوی جانی کہ مشامِ دل و جان تازہ کند می توان یافت کزان بندِ قبا می آید
 ہر کجا می گذرد عطرِ فشانِ می گذرد ہر نسیمی کہ ازانِ زلفِ دوتا می آید
 آمد از دلِ ما صبر و سکونِ می طلبید شاہِ بنگر کہ بہ آئینِ گدا می آید (۱۴)
 شبلی کی ان غزلوں میں شوخی، رنگینی اور دلکشی سے بھرپور خوبصورت مرتعے بکھرے پڑے

ہیں۔ شبلی نے محبوب کے حسن و نزاکت اور گفتار و کردار کا سارا ماجرا ان فارسی غزلوں میں کہہ سنایا ہے۔ محبوب اپنے حسن و نزاکت، ناز و ادا اور گفتار و کردار کے ذریعے عاشق کے دل پر شدید قسم کے وار کرتا ہے اور اس کے دل کو اپنے عشق کے جال میں قید کر لیتا ہے۔ عاشق کے لیے ایسی قید اور گرفتاری مسلسل اذیت اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ شبلی نے اپنی فارسی غزلوں میں سراپا نگاری سے بھی خوب کام لیا ہے۔ شبلی نے محبوب کے حسین سراپے کے ایک ایک عضو کو حسن و خوبی کا تاج محل قرار دیا ہے۔ شبلی نے ان غزلوں میں جس طرح محبوب کے خوبصورت خدو خال، قد و قامت اور چال ڈھال کی لفظی تصویریں پیش کی ہیں ان تصویروں سے شبلی کے محاکاتی انداز کی جھلک نظر آتی ہے۔ حالی کی فارسی غزلوں میں محبوب کے سراپے کا ایسا بیان شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے۔ حالی کی غزلوں میں محبوب کے حسن و نزاکت، قد و قامت اور ناز و ادا کا ذکر تو چھیڑا جاتا ہے، مگر محبوب کے سراپے کی ایسی تصویر کشی نہیں دکھائی دیتی ہے، جس طرح کی جھلک شبلی کی غزلوں میں نظر آتی ہے۔ حالی، اس میدان میں شبلی کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہیں۔ شبلی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی غزلوں میں عشق کے ایسے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کی ہے جس میں ان کے اپنے جذبات اور احساسات کا عکس نظر آتا ہے۔ اسی وجہ

سے شبلی کی غزلوں کا سب سے بڑا موضوع عشقیہ جذبات اور داخلی کیفیات کی ترجمانی پر مبنی ہے۔ اس حوالے سے شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں:

”شبلی کی فارسی غزلوں کو داخلی کیفیات اور عشقیہ جذبات کا غیر معمولی جشن اور اپنے پیش روؤں کی شاعری پر جگہ جگہ تخلیقی حاشیہ آرائی کہنا چاہیے۔“ (۱۵)

شبلی کی فارسی غزلوں میں داخلی کیفیات اور عشقیہ جذبات کا گہرا ارجاؤ ملتا ہے۔ شبلی کی بہت سی فارسی غزلیں عشقیہ مضامین کی دلکش اور خوبصورت تصویریں ہیں۔ شبلی کی غزلوں میں ایسے عشقیہ مضامین کی بھرمار انھیں اسلوب اور موضوعات کے اعتبار سے قدما اور متوسطین کی شاعری کے قریب لاکر کھڑا کر دیتی ہے۔ حالی بھی اپنی فارسی غزلوں کے اسلوب اور موضوعات کی وجہ سے شبلی کے ساتھ ہی چند قدموں کے فاصلے پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ شبلی کی فارسی غزلوں کے موضوعات اور اسلوب میں تخیل اور محاکات کی جلوہ گری بھی نظر آتی ہے۔ حالی کی فارسی غزلوں میں محاکات کا عنصر تو نہیں ہے البتہ ان کی فارسی غزلوں میں تخیلاتی عناصر کی بازگشت ضرور سنائی دیتی ہے۔ حالی و شبلی دونوں نے تخیل کو شاعری کے لیے ضروری عنصر قرار دیا ہے۔ شبلی کی فارسی غزلوں میں تخیل اور محاکات اور حالی کی فارسی غزلوں میں تخیل کے عناصر کی واضح جھلکیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ حالی و شبلی کی فارسی غزلوں کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

کمندِ جذبہ دل در کین است	خلاصِ یوسف از زندان ضرورست
بفرمانش دہم سر تا بدانند	کہ پاسِ خاطرِ یاران ضرورست
چہ می رفت از جهان می گفت حالی	قبولِ عشق را حرمان ضرورست (۱۶)
رفت از شہر بدان سان کہ بھاران ز چمن	آدمان گو نہ کہ در باغ صبا می آید
گویا یوسفِ گم گشتہ بہ کنعان آمد	یا نگارِ بیمی سوی سبا می آید
رفتیش گرچہ بکام دل احباب نبود	چون بیاد، بہ مراد دل ما می آید
خویِ خوبش بہ همان لطف و صفا هست کہ بود	ہم بدان قاعدہٴ مہر و وفا می آید (۱۷)

حالی و شبلی کی فارسی غزلوں میں جذبات، احساسات اور خیالات کے بیان میں تخیل پر دازی کے ذریعے غزلوں کے موضوعات اور اسلوب میں مزید کشش اور جان پیدا کرنے کی کوشش ملتی ہے۔ شبلی کی فارسی غزلوں کے جو تین مجموعے ”دستہ گل“، ”بوئے گل“ اور ”برگ گل“ کے عنوانات سے منظر عام

پر آئے تھے ان میں سے پہلے شعری مجموعہ ”دستہ گل“ کی غزلوں کے حوالے سے مختلف قسم کے قصے گردش کرتے رہے ہیں۔ شبلی کے شعری مجموعے ”دستہ گل“ کی غزلوں کے متعلق سب سے عام قصہ یہ پایا جاتا ہے کہ شبلی نے یہ غزلیں بیگم عطیہ فیضی سے معاشرے سے وابستہ رنگین یادوں، قلبی جذبات اور دلی احساسات کے بیان میں لکھی ہیں۔ شبلی کے اسی شعری مجموعے ”دستہ گل“ کی غزلوں اور ان کے مکتوبات کے مجموعے ”خطوطِ شبلی“ کو سامنے رکھ کر ڈاکٹر وحید قریشی نے ”شبلی کی حیاتِ معاشرتی“ اور مولوی محمد امین زبیری نے ”شبلی کی حیاتِ رنگین“ کے عنوان سے کتابیں بھی تحریر کی تھیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی اور مولوی محمد امین زبیری نے اپنی ان تصنیفات میں شبلی اور بیگم عطیہ فیضی کے درمیان معاشرے کے نقوش تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان تصنیفات میں بیان کردہ حالات و واقعات کے مطابق شبلی بیگم عطیہ فیضی سے تیسرے نکاح کا خواب دیکھ رہے تھے۔ شیخ محمد اکرام کچھ یوں لکھتے ہیں:

”خطوطِ شبلی کے بعض اندراجات سے خیال ہوتا ہے کہ دستہ گل کی بعض غزلیں اسی نشتے کا اثر تھیں، جس نے خطوطِ شبلی کو ایک نُم کدہ بنا دیا ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا کہ اس مجموعے کی کوئی غزل کسی خاص لمحے کی یادگار ہے اور اس میں کسی واقعے کی طرف اشارہ ہے، آسان نہیں۔ لیکن اس زمانے میں شبلی پر جو عام کیف و مستی چھائی ہوئی تھی، اس کا اندازہ دستہ گل کے اشعار سے بخوبی ہو سکتا ہے۔“ (۱۸)

شیخ محمد اکرام نے شبلی کے بیگم عطیہ فیضی اور بیگم زہرا فیضی کے نام مکتوبات کے مجموعے ”خطوطِ شبلی“ کو اس کے مندرجات کے اعتبار سے ایک ”نُم کدہ“ سے تشبیہ دی ہے۔ انھوں نے شبلی کے شعری مجموعے ”دستہ گل“ اور مکتوبات کے مجموعے ”خطوطِ شبلی“ کے مندرجات کو ایک جیسے نشتے اور کیف و مستی میں ڈوبا ہوا بھی قرار دیا ہے۔ شبلی نے جس زمانے میں ”دستہ گل“ کی غزلیں لکھی تھیں، اس زمانے میں ان کا بہمنی اور جنجیرہ میں آنا جانا بھی کافی تھا اور وہاں اکثر بیگم عطیہ فیضی سے ملاقاتیں بھی رہتی تھیں۔ شبلی نے ”دستہ گل“ کی غزلوں اور ”خطوطِ شبلی“ کے مکتوبات میں بہمنی کی رنگین صحبتوں کا تواتر کے ساتھ ذکر بھی کیا ہے۔ جن سے شبلی کے بیگم عطیہ فیضی کی طرف جذباتی رجحان کے اشارے ملتے ہیں۔ شبلی نے ان مکتوبات میں بیگم عطیہ فیضی سے ایک دوست کی حیثیت سے گلے شکوے بھی کیے ہیں۔ ان کے ایسے گلے شکووں سے ان کے جذباتی لگاؤ کا احساس شدید سے شدید تر ہو جاتا ہے۔ شبلی نے اپنے اس شعری مجموعے ”دستہ گل“ کا عنوان بھی پہلے ”بہمنیات“ رکھنے کا سوچا تھا۔ لیکن پھر

شعری مجموعے ”دستہ گل“ کی اشاعت سے قبل نہ جانے کس مصلحت کے تحت عنوان بدل دیا تھا۔ بیگم عطیہ فیضی ان مکتوبات اور غزلوں کے متعلق لکھتی ہیں:

”ہم نے مولینا کے خطوط کو جو ہمارے نام آتے تھے، ہمیشہ معصومانہ روشنی میں دیکھا۔ کیونکہ ان میں بظاہر کوئی ایسی بات نہ تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی کسی قسم کی بدگمانی کرتا یا کسی برائی کا احساس ہوتا۔ البتہ بعض میں شوخی ضرور ہوتی تھی، جو شاعرانہ طبیعت کا خاصہ ہے۔ مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ رازد اشارات اُن ہی جذبات پر مبنی تھے اور بعض نظموں میں بھی ان کو شاعری کے پردے پر ظاہر کرتے تھے۔“ (۱۹)

بیگم عطیہ فیضی کے اس موقف کی روشنی میں دو باتیں تو بڑی صاف ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ شبلی نے اپنی زندگی میں بیگم عطیہ فیضی کے سامنے کبھی اعلانیہ اپنے دلی جذبات اور محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ شبلی کے دل و دماغ میں بیگم عطیہ فیضی کے حوالے سے جو کچھ بھی چل رہا تھا وہ سب کچھ ان کی اپنی ذات اور دل و دماغ تک محدود رہا تھا۔ بیگم عطیہ فیضی، شبلی کی زندگی میں اس سب کچھ سے مکمل لاعلم رہی تھیں اور وہ شبلی کی غزلوں اور مکتوبات کی شوخی کو شاعرانہ طبیعت کا خاصا سمجھتی رہی تھیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بیگم عطیہ فیضی نے شبلی کی وفات کے بعد شبلی کی غزلوں اور مکتوبات کی شوخی سے اپنے لیے شبلی کی دلی تڑپ اور محبت محسوس کر لی تھی۔ اسی وجہ سے انھیں شبلی کی غزلوں اور مکتوبات کی شوخی میں شاعرانہ طبیعت کی جھلک کے مقابلے میں شبلی کے دلی جذبات اور احساسات کا ادراک ہونے لگا تھا۔ شبلی نے اپنے شعری مجموعے ”دستہ گل“ کی غزلوں کو بھی بیگم عطیہ فیضی کی پہنچ سے دور رکھا تھا۔ شبلی کی اس زمانے کی چند ایک فارسی غزلیں ”خطوط شبلی“ کے وسیلہ سے تو بیگم عطیہ فیضی تک پہنچی تھی لیکن شبلی نے شعری مجموعے ”دستہ گل“ کی اشاعت کے وقت بیگم عطیہ فیضی کو اس کا کوئی نسخہ نہیں بھیجا تھا۔ اس حوالے سے سید شہاب الدین دسنوی رقم طراز ہیں:

”لیکن شبلی کا جو علمی، ادبی، دینی اور ملی مقام تھا اس لحاظ سے ان کی شوخی اُن کے ”پنجاہ سالہ چہرے پر نہیں کھلتی ہے“ اس لیے انھوں نے خود بھی بعض خواتین کو دستہ گل نذر کرنے سے اجتناب کیا اور نہ عطیہ کو اس کی کوئی جلد بھیجی۔“ (۲۰)

سید شہاب الدین دسنوی نے ”دستہ گل“ کی غزلوں میں شبلی کے شوخ اور رنگین خیالات کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ ان کے نزدیک شبلی کے پچاس سالہ بوڑھے چہرے پر ان کی غزلوں کا شوخ رنگ

نہیں سجتا تھا۔ شبلی کو اپنے دل و دماغ میں اپنی علمی، ادبی، دینی اور ملی خدمات کا احساس ضرور رکھنا چاہیے تھا۔ شاید شبلی نے غزلوں کے اس شوخ اور جذباتی رنگ کے باعث ”دستہ گل“ کا نسخہ بیگم عطیہ فیضی کو بھیجنے سے اجتناب برتا تھا۔ شبلی نے شاید اسی لیے ”دستہ گل“ بیگم عطیہ فیضی کو بھیجنے سے احتیاط برتی ہوگی کہ اس مجموعہ کی غزلوں کے ذریعے سے کہیں بیگم عطیہ فیضی پر ان کے دلی جذبات اور قلبی واردات کا انکشاف نہ ہو جائے۔ شبلی کے شعری مجموعے ”دستہ گل“ کا نسخہ بیگم عطیہ فیضی کو ارسال نہ کرنے کا معاملہ جو کچھ بھی تھا لیکن اس شعری مجموعے ”دستہ گل“ کی غزلوں کے شدید جذباتی رنگ کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ شبلی جس زمانے میں بمبئی میں قیام پذیر تھے اور ان کی گاہے بگاہے بیگم عطیہ فیضی سے ملاقاتیں بھی ہو کرتی تھیں اس زمانے میں شبلی نے جو مکتوبات اپنے دوستوں اور احباب کے نام لکھے تھے، ان مکتوبات کے مندرجات میں بھی شبلی کے رنگین اور جذباتی خیالات کا عکس دیکھا جاسکتا ہے۔ شبلی ۲۲ / فروری ۱۹۰۸ء میں مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی کے نام لکھتے ہیں:

”اب کی بمبئی میں عجیب رنگین صحبتیں رہیں، لیکن عین عالم لطف میں ندوہ کی ایک فوری ضرورت سے یہاں آنا پڑا، لیکن آنکھوں میں اب تک وہ تماشا پھر رہا ہے، خیر اس پر فخر کرتا ہوں کہ دل کی خوشی کو قوم اور مذہب پر نثار کر سکتا ہوں اور بے تکلف کر سکتا ہوں۔“ (۲۱)

شبلی نے اپنے اس مکتوب کے مندرجات میں بمبئی کی ”عجیب رنگین صحبتوں کا ذکر چھیڑا ہے۔ شبلی نے اعتراف بھی کیا ہے کہ وہ ان ”عجیب رنگین صحبتوں“ کی وجہ سے بمبئی کے قیام کو ختم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مگر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ایک فوری ضرورت کے باعث انھیں اپنا بمبئی کا قیام ختم کرنا پڑا تھا۔ شبلی نے ”عجیب رنگین صحبتوں“ کے ذکر کے ساتھ ساتھ ”دل کی خوشی“ کی قربانی کا پُر جوش ذکر بھی کر دیا ہے۔ وہ ”عجیب رنگین صحبتیں“ اور ”دل کی خوشی“ کیا تھیں؟ اس زمانے میں شبلی اور بیگم عطیہ فیضی کی بمبئی میں ملاقاتیں بھی رہی تھیں۔ شبلی نے بیگم عطیہ فیضی کے ساتھ ان ملاقاتوں کو تو کہیں ”عجیب رنگین صحبتوں“ اور ”دل کی خوشی“ کے دائرے میں نہیں رکھا تھا؟ شبلی نے ان ہی رنگین صحبتوں کے سحر میں مبتلا ہو کر شوخ اور رنگین غزلیں تو نہیں کہی تھیں؟ شبلی ان غزلوں میں ایک حقیقی عاشق کا دم بھرتے کیوں نظر آتے ہیں؟ شبلی نے اس مکتوب میں جس عالم لطف کا نقشہ بار بار آنکھوں

کے سامنے پھرنے کی بات دوہرائی ہے، کہیں وہ عالم لطف بیگم عطیہ فیضی سے ملاقاتوں کا عالم تو نہیں تھا؟ ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں:

”شبلی اگر اپنا راز چھپاتے ہیں تو مصلحت کی بنا پر۔ وہ عوام سے ڈرتے تھے۔ اس لیے اول تو اردو میں عشقیہ شعر کہنے سے پرہیز کیا جو ایک آدھ نظم کہی اسے چھپنے نہ دیا۔ فارسی میں انہوں نے حال دل کہہ ڈالا کہ خواص تک محدود تھی۔“ (۲۲)

ڈاکٹر وحید قریشی کی نظر میں شبلی نے بیگم عطیہ فیضی سے محبت و الفت کے جذبات کو راز رکھا تھا اور اس راز کا سبب عوام کا خوف اور مصلحت تھی۔ شبلی کو اس حقیقت کا شدت کے ساتھ احساس تھا کہ ہندوستان میں ان کی شہرت ایک مذہبی عالم کے طور ہے۔ ان کی معمولی سی غلطی بھی ان کی تمام شہرت، عزت اور وقار کو خاک میں ملا سکتی ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی کے نزدیک اسی ڈراؤر خوف کے تحت شبلی نے اردو شاعری میں ایسے جذباتی خیالات اور احساسات کو شعری قالب میں ڈھالنے سے پرہیز کیا تھا۔ شبلی نے ایسے جذبات، خواہشات اور آرزوں کی ترجمانی کے لیے فارسی غزل کو برتا تھا۔ حالی نے شبلی کے شعری مجموعے ”دستہ گل“ کی غزلوں کو ان کے شدید جذباتی رنگ، آہنگ اور شوخ انداز کے سبب ”شرابِ دو آتشہ“ سے تعبیر کیا تھا اور اس کے بعد اپنی فارسی غزلوں کی اشاعت سے گریز برتا تھا۔ شبلی کے شعری مجموعے ”دستہ گل“ کی غزلوں کے چند اشعار دیکھیے:

شبِ وصلی از و بان درازی آرزو دارم	کہ یک یک بر شام حلقہ های زلف پچان را
غلط سازد شمار بوسہ وانگہ ز سر گیرد	نگہ دارد خدا از چشم بد آن طفل نادان را
دل ہنگامہ جو خمیازہ بر خمیازہ می ریزد	بکارش نامزد فرما نگاہ فتنہ سلمان را (۲۳)
آن شدای دوست کہ در ندوہ بہ بنی بازم	کہ دم از صحبت آن دشمن ایمان زدہ ام
هان و هان دست بدارید زمن ای احباب	کہ بہ زیبا صنمی دست و پیمان زدہ ام
ہر یک از فتنہ گرانِ غرب و ہند و عراق	یم حسن است و من دل زدہ طوفان زدہ ام (۲۴)

حالی نے ”دستہ گل“ کی غزلوں کو ”شرابِ دو آتشہ“ کا نام ٹھیک ہی دیا تھا۔ شبلی کی غزلوں میں شدید جذباتیت اور جنسیت سے بھرپور خیالات کا اظہار بھی ملتا ہے۔ شبلی نے ان غزلوں میں محبوب کے وصل سے شروع ہو کر محبوب کے لمس تک کے جذبات کو چھیڑا ہے۔ شبلی محبوب کے حسن اور لمس سے لطف اندوز ہونے کو معیوب نہیں سمجھتے ہیں۔ شبلی کی غزلوں میں شدید ہیجانی اور جذباتی کیفیت پائی

جاتی ہے۔ شبلی کے نزدیک محبوب کی قربت، صحبت اور دیدار ہی عاشق کے دل کے ہنگامے کو سکون عطا کر سکتے ہیں۔ محبوب اور دوست کا وصل ہی عاشق کے دل کی بے چینی و بے قراری کو ختم کر سکتا ہے۔ ان غزلوں کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے بہی میں قیام کے زمانے میں شبلی کی اپنی دلی کیفیت اور جذباتی حالت ایسی ہی تھی۔ شبلی کو اگر اپنے مذہبی رتبے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے وابستگی کا ڈر اور خوف نہ ہوتا، تو شاید وہ اس سے زیادہ گرمی اور جوش بھی دکھا سکتے تھے۔ حالی کی فارسی غزلوں میں شبلی کی فارسی غزلوں کی طرح گرمی جذبات، جوش و جذبہ اور جنسی و ہیجانی کیفیات کی ایسی خاصیت نہیں پائی جاتی ہے۔ شبلی کی زندگی کے برعکس حالی کی ساری زندگی میں عشق و عاشقی سے متعلق ایسے کسی واقعے کی کوئی کہانی یا قصہ نہیں ملتا ہے۔ حالی کی زندگی کے بارے میں تمام محققین اور ناقدین کا اتفاق ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی معاشقے میں مبتلا نہیں ہوئے تھے۔ وہ اپنی غزلوں میں دکھاوے کے عاشق ضرور بنے تھے۔ حالی خود اعتراف کرتے ہیں:

”باغِ جوانی کی بہار اگرچہ قابلِ دید تھی مگر دنیا کی مکروہات سے دم لینے کی فرصت نہ ملی، خود آرائی کا خیال آیا، نہ عشق و جوانی کی ہوا لگی۔ نہ وصل کی لذت اٹھائی، نہ فراق کا مزہ اچکھا... البتہ شاعری کی بدولت جھوٹا عاشق بنا پڑا۔ ایک خیالی معشوق کی چاہ میں برسوں دشتِ جنوں کی وہ خاک اڑائی کہ قیس و فرہاد کو گرد کر دیا۔“ (۲۵)

حالی کی زندگی بچپن ہی سے مصائب اور مشکلات کا شکار رہی تھی۔ وہ آٹھ نو برس کی عمر میں اپنے والد خواجہ ایزد بخش کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے۔ والد کی وفات کے بعد بڑے بھائی خواجہ امداد حسین نے ان کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔ ان کے بھائی خواجہ امداد حسین نے سترہ برس کی عمر ہی میں حالی کی شادی اسلام النسا بیگم سے کر دی تھی۔ اس طرح وہ جوانی میں وصل و فراق کی لذتیں اور مزے اٹھانے سے محروم رہ گئے تھے۔ حالی جوانی میں معاشقے لڑاتے یا خانگی ذمہ داریاں نبھاتے؟ فیصلہ کرنا آسان ہے۔ ایسی صورت حال میں حالی عشق و عاشقی کے دھندوں میں کیسے پڑ سکتے تھے۔ حالی نے جھوٹا عاشق بن کر اپنی غزلوں میں ہجرت و تنہائی اور وصل و فراق کے جذبات کی جیسی تصویریں پیش کی ہیں، انھیں دیکھ کر ذرا بھی گمان نہیں ہوتا کہ وہ زندگی میں کبھی بھی عشق کے تجربے سے نہیں گزرے ہوں گے۔ حالی کی غزلوں کے اشعار دیکھیے:

جانِ دارویِ عشاق و بکامِ دلِ اغیار عمرِ ابدِ ما و نصیبِ دگرانند

صد حرفِ غلطِ گفتہ بخاطر بنشانند صد تیر خطا کردہ ز دل در گزارند (۲۶)
 ترا شایان بود خوبی کہ بی مہری و محبوبی ترا زبید دل آریانی کہ بدخوی و زیبائی
 تو چشم و کوش نگشائی و شد بھر تو ارزانی بگلشن چہرہ آریانی بہ بلبل نغمہ پیرانی (۲۷)
 حالی نے جس قسم کے خیالات کا جس انداز میں، جس لے میں اور جس صوتی آہنگ میں رنگ
 جمایا ہے، جس طرح محبوب کے چہرے کی خوبصورتی اور حسن کے مرقعے پیش کیے ہیں، جس قسم کے دلی
 جذبات، خواہشات اور آرزوں کی ترجمانی اپنی غزلوں میں کر دی ہے، جس طرح سے محبوب کے
 ناز و داد اور بے مہری و بے نیازی کا نقشہ کھینچا ہے، ایسا ایک کلاسیکی شاعر ہی کر سکتا تھا۔ حالی اپنی ایسی ہی
 غزلوں کے لہجے، انداز اور صوتی آہنگ کی روشنی میں کلاسیکی شاعر قرار دیے جاسکتے ہیں۔ وہ الگ بات ہے
 کہ حالی نے بعد میں کلاسیکی غزل کی روایت سے اپنا ناٹھ توڑ لیا تھا۔ مگر ایسی غزلیں ان کے کلاسیکی رنگ کی
 گواہ ہیں۔ شبلی کی غزلوں میں بھی کلاسیکی صوتی آہنگ اور لب و لہجے کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ حالی
 و شبلی دونوں کی غزلوں میں کلاسیکی لب و لہجے اور صوتی آہنگ کی جھلک نظر آتی ہے۔

حالی و شبلی کی غزلوں میں نشاطیہ لہجے اور آہنگ کے خوبصورت رنگ بھی بکھرے ہوئے ہیں
 اور یاسیت اور غم سے بھرپور فضا بھی قائم ہے۔ حالی و شبلی کی غزلوں میں محبوب سے جدائی کا غم
 اور پچھڑنے کا کرب بھی موجود ہے۔ حالی و شبلی نے محبوب کے وصل کے دلکش نغمے سنانے کے ساتھ
 ساتھ محبوب کے ہجر و فراق کے نوے بھی پڑھے ہیں۔ حالی و شبلی دونوں محبوب کی طرف سے دیے
 دکھوں اور غموں کے باعث زندگی سے بیزار، نڈھال اور پریشان دکھائی پڑتے ہیں۔ شبلی کے شعری
 مجموعوں ”بوئے گل“ اور ”برگ گل“ کی غزلوں میں غم کے آثار تو اتر کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔ حالی
 و شبلی کی غزلوں کے اشعار ملاحظہ ہوں:

نومید مکن ورنہ محال است کہ کس را یارایِ غمِ حوصلہ فرسایِ تو باشد
 یارایِ صوابت چہ کنم رایِ جہان را ای رایِ جہان در گرو رایِ تو باشد (۲۸)
 ز بسکہ از ہمہ سو در کشاکش افتادہ ست خدنگ نازِ زِ دل تا جگر نمی آید
 فراق و ہجر و یار خوشی بود کر درد پس از گذشتن شب ہم سحر نمی آید
 دل آردست تو افتد نثارِ خوبان کن کہ این متاعِ بکارِ گر نمی آید
 بہ جان سپردن من دیر اگر بود این است کہ یارِ زود تر از زود تر نمی آید (۲۹)

حالی و شبلی کی ان غزلوں میں ہجر و فراق، یاسیت، مایوسی، ناامیدی اور درد و غم کے ملے جلے جذبات اور احساسات کی ترجمانی بھی ملتی ہے۔ محبوب کی بے پروائی، بے مہری اور بے رخی عاشق کی زندگی میں ہجر و فراق، مایوسی اور ناامیدی کا باعث ہے۔ عاشق محبوب کی بے نیازی اور بے مروتی پر آنسو بہاتا ہے۔ حالی و شبلی دونوں نے اپنے اپنے انداز میں محبوب کی بے نیازی اور بے پروائی کے قصے بیان کیے ہیں اور محبوب کے اس انداز پر غم کے آنسو بہائے ہیں۔ حالی و شبلی کی کئی غزلیں مایوسی، رنج و الم اور یاسیت کے جذبات کی عکاس ہیں۔ حالی و شبلی کا محبوب بہت بے مروت اور لاپرواہ دکھائی دیتا ہے۔ حالی و شبلی کی غزلوں کے مزید اشعار دیکھیے:

تاب و تپ صد شعلہ و بیتابی صد برق
ریزند در آن دل کہ تمنای تو باشد
بر مرگ نغم کہ علاج دل بیمار
شرط ست کہ از لعل دل آسای تو باشد (۳۰)
ممنون سبک پای مرگم کہ شب ہجر
از صبح دمیدن قدری پیشتر آمد
اوج قد و بالای دل افروز تو لازم
کاب دم شمشیر ترا تا کمر آمد
تر دستی آن غمزہ چالاک تو ان دید
تیری کہ بزد تیر دیگر بر اثر آمد (۳۱)

حالی و شبلی کی ان غزلوں میں رقابت اور حسد و رشک کے جذبات بھی پائے جاتے ہیں۔ حالی و شبلی کی غزلوں کا عاشق اپنے محبوب کو رقیبوں اور اغیار کی محفل اور مجلس میں دیکھتا ہے، تو شدید جذباتی صدمے سے دوچار ہوتا ہے، جو شاعری کی عام روایت رہی ہے۔ حالی و شبلی کی بیشتر فارسی غزلوں میں مختصر بحور و حافات کا عام استعمال ملتا ہے۔ حالی و شبلی کی غزلوں کی ایک خاص بات ان کا مترنم، موسیقیت اور غنائیت میں ڈوبا ہوا دلکش اور خوبصورت صوتی آہنگ ہے۔ ان دونوں شاعروں نے اس دلکش اور خوبصورت صوتی آہنگ کی تخلیق میں مختلف بحور و اوزان، خوبصورت اور دلکش الفاظ و تراکیب، تشبیہات اور استعارات کے استعمال سے زیادہ مدد لی ہے۔ حالی و شبلی کی غزلوں میں واعظ و ساقی، سرمستی، رندی و رعنائی اور نیکی و بدی کے جذبات سے مزین خیالات اور احساسات کی تصویر کشی بھی ملتی ہے۔ عاشق جب ہر طرف سے مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے، تو اسے واعظ کی نصیحت بھری باتیں یاد آتی ہیں۔ اس کے دل میں نیکی و بدی کا فرق بھی واضح ہونے لگتا ہے۔ وہ عاشق کسی نہ کسی بہانے محبوب کی یادوں سے جان چھڑانے کے راستے ڈھونڈنے لگتا ہے۔ حالی و شبلی کی غزلوں میں بھی ایسے

اشعار ملتے ہیں، جن میں عاشق کی ایسی کیفیت کی ترجمانی ملتی ہے۔ ان کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

مئی دردِ رشکِ عدو پردہ طاقت ورنہ
مجلسِ وعظِ ملامت گہ و ما غمزدگان
ساغر بادہ و طرف چمن و لالہ رخی
دل متاعی ست گران مایہ بہ کس نتوان داد
زاهد شراب ناب جز انگور و آب نیست
می را بقدر حوصلہ مردمی دهند
حالی کی غزلوں میں واعظ اور شیخ کے وعظ و نصیحت سے عاشق کے فیض یاب ہونے کی باتیں
بہت ملتی ہیں۔ شبلی کی غزلوں میں ساقی و ساغر سے دل کی بیماری کا علاج کروانے کی باتیں زیادہ پائی جاتی
ہیں۔ شبلی کی غزلوں میں شراب نوشی، ساغر و ساقی اور رندی و مستی سے وابستہ جذبات کا بار بار
ذکر آیا ہے۔ شبلی کی غزلوں میں شراب و ساغر اور رندی و مستی کے جذبات نے شبلی کی مذہبی شخصیت
کو نقصان پہنچانے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ شبلی کی فارسی غزلوں کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ
یہ غزلیں کسی مذہبی عالم کی تخلیق ہیں۔ ان غزلوں کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے شراب و مستی کے
نشے میں دُھت کسی شاعر نے اپنے رنگین خیالات کو غزلوں کا لبادہ اڑھادیا ہے۔ حالی کی غزلوں میں اس
قسم کے جذبات کے اظہار کی کمی ہے۔ حالی و شبلی کی چند غزلوں کے اشعار دیکھیے:

تہائی و رنجوری ، وانگہ غمِ مجھوری
شونہی ست کہ نگذارد بر ملت خود کس را
من برانم کہ کنار از ہمہ عالم گیرم
کام دل خواہی از ان نو برخو کردہ بہ شرم
عاشق آن نیست کہ ہنگام تقاضایِ وصال
کس چہ داند کہ بہ خلوت گہ آن ماہ تمام
جای آنست کہ گلشن و مد از سنج لبم
صد چمن لالہ و گل جو شدم از حبیب و بغل
صد وکان لعل و گھر چیدہ ام از گفتارش
ای مشکل من بکشا ، ای مردنم آسان شو
ای شیخ ز دین بر گرد ، ای گیر مسلمان شو (۳۵)
گر مرا یک صنمی شوخ در آغوش را
باش تا یک دو سہ ساغر زده مدھوش را
مهرش از بوسہ زنی بر لب و خاموش را (۳۶)
زده ام ساغر و بر یاد حریفان زده ام
بوسہ ہا بسکہ بر آن عارض خندان زده ام
قرعہ فال ہم آغوشی جانان زده ام
طعنہ بر بی سروسامانی عمان زده ام (۳۷)

حالی کی غزلوں میں ایک عاشق کا حالتِ تنہائی، مہجوری اور مجبوری میں واعظ و شیخ کو یاد کرنے کا تصور بھی پایا جاتا ہے، جو ایک عام مسلمان کا عقیدہ بھی ہے۔ شبلی کی فارسی غزلوں کا عاشق، محبوب کی قربت، وصال، خلوت و تنہائی، بوسہ زنی، آغوشی اور مدہوشی کی جذباتی اور جنسی کیفیت سے دوچار دکھائی دیتا ہے۔ شبلی کو اپنی غزلوں میں زیادہ تر محبوب کے حسین جلوے، ساغر و مینا کا نشہ اور رنگین صحبتیں ہی یاد رہی ہیں۔ ان کی غزلوں کا عاشق ایک طرف محبوب کے وصال کا متلاشی ہے، تو دوسری طرف یہ عاشق وصال میں جنسی جذبات کی تسکین کا قائل بھی ہے۔ حالی کی غزلوں کا عاشق محبوب کے وصل کے علاوہ اور کسی چیز کا طالب دکھائی نہیں دیتا ہے۔ شبلی کی غزلوں کا محبوب شوخ اور ناز و ادا سے بھرپور شخصیت کا حامل ہے۔ شبلی کی غزلوں میں ایسے ہی مضامین نے ان کی غزلوں کے رنگ کو شوخ، بے باک اور آزاد خیالات کا حامل بنا دیا ہے۔ شبلی کی غزلوں کے متعلق ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں:

”علامہ شبلی کے اشعار کا مطالعہ کرتے وقت ہم ایک الجھن سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

اشعار کی جنسی نوعیت کے علاوہ ان کے ہاں بار بار شراب اور ساغر کا ذکر آتا ہے۔ شراب

محض مل بیٹھنے اور باتیں کرنے تک محدود تھی۔ لیکن ساغر زدن کہیں کہیں دو قدم آگے

چلتا نظر آتا ہے۔“ (۳۸)

ڈاکٹر وحید قریشی نے شبلی کی فارسی غزل کے متعلق اپنے موقف میں جن دو باتوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک بات تو یہ ہے کہ شبلی کی غزلوں میں جنسی نوعیت کے حامل اشعار بھی ملتے ہیں۔ شبلی کی غزلوں کے اشعار ڈاکٹر وحید قریشی کے موقف کو درست ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ شبلی کی غزلوں میں شراب و ساغر کا جو بار بار ذکر آتا ہے، وہ حدود و قیود سے متجاوز ہوتا ہے۔ شبلی کی فارسی غزلوں کی روشنی میں ڈاکٹر وحید قریشی کی دوسری بات میں بھی حقیقت کا وزن دکھائی دیتا ہے۔ شبلی کی فارسی غزلوں کو اگر اس زمانے کا کوئی مولوی پڑھ لیتا تو ان پر کفر کا فتویٰ لگنے کا ڈر تھا۔ شاید شبلی کی فارسی غزلیں اس زمانے کے علما کی نظر سے نہیں گزری تھیں ورنہ شبلی کے مذہبی مخالفین، ان کی فارسی غزلوں کے حوالے سے ان کی شہرت اور عزت پر حملے کیے بنا نہیں رہ سکتے تھے۔ شبلی نے اپنی فارسی غزلوں میں جو رنگ اختیار کیا ہے، اس رنگ کو شبلی شاعر کے رنگ کے طور پر دیکھنے کی ضرورت ہے۔ شبلی مذہبی عالم ہونے کے علاوہ فارسی کے اچھے شاعر بھی تھے۔ شبلی کو ہندوستان میں ان کی فارسی غزلوں کی فنی و فکری

خصوصیات کے باعث مرزا غالب کے بعد فارسی زبان میں غزل کا دوسرا بڑا ہندوستانی شاعر مانا جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد سلیم لکھتے ہیں:

”فارسی غزل میں مولانا کا درجہ بہت بلند ہے۔ غالب کے بعد اور اقبال سے پہلے، ہندوستان

میں فارسی کے دو بہت اچھے شاعر ہوتے ہیں اور وہ ہیں مولانا شبلی اور مولانا گرامی۔“ (۳۹)

شبلی کی فارسی غزلوں اور ہندوستان میں فارسی غزل کی روایت کو مد نظر رکھ کر بلاشبہ شبلی کو غالب کے بعد دوسرا بڑا فارسی غزل گو شاعر قرار دیا جا سکتا ہے۔ حالی کی فارسی غزلوں کو اس قدر شہرت اور مقبولیت حاصل ہونا بہت مشکل بات ہے۔ ایسے بھی حالی نے فارسی زبان میں غزلیں منہ کا ڈالنے کے لیے لکھی تھیں۔ انھوں نے باقاعدگی کے ساتھ فارسی زبان میں غزل گوئی کو اپنی ادبی زندگی کا حصہ نہیں بنایا تھا۔ انھوں نے یہ غزلیں اپنی شاعری کے ابتدائی زمانے میں لکھی تھیں۔ حالی نے اس دور کے بعد فارسی غزل کو چھوڑ کر اردو غزل اور شاعری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ حالی کے مقابلے میں شبلی نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور اور آخری دور میں فارسی غزل گوئی کو خاص اہمیت دی تھی۔ ان کا فارسی غزل کے ساتھ بڑا توانا اور مضبوط تعلق تھا۔ اس بات میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ فارسی غزل کے میدان میں شبلی، حالی سے بڑے شاعر ہیں۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے کہ حالی و شبلی کی فارسی غزلوں نے ہندوستان میں فارسی غزل کی روایت کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ حالی و شبلی صرف اردو کے اچھے شاعر ہی نہیں تھے بلکہ فارسی کے اچھے شاعر بھی تھے۔ حالی و شبلی کی فارسی غزلیں اس بات کی شاہد ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

- (۱) اسماعیل پانی پتی، شیخ محمد، تذکرہ حالی، ترتیب و تدوین، خان شجاعت عمر خاں، لاہور: شجاعت پبلی کیشنز، س-ن، ص ۵۹
- (۲) صباح الدین عبدالرحمن، سید، مولانا شبلی نعمانی پر ایک نظر، اعظم گڑھ (ہند): دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۰۸ء، ص ۶۴
- (۳) شبلی نعمانی، مولانا، مکاتیب شبلی، حصہ اول، مرتبہ، سید سلیمان ندوی، اعظم گڑھ: مطبع معارف، طبع چہارم، ۱۹۶۶ء، ص ۸۴
- (۴) حالی، مولانا خواجہ الطاف حسین، کلیاتِ نظم حالی، جلد دوم، مرتبہ، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول ۱۹۷۰ء، ص ۳۵۶
- (۵) حالی، مولانا خواجہ الطاف حسین، ضمیمہ اُردو کلیاتِ نظم حالی، دہلی: تحفہ ہند، ۱۳۳۲ھ، ص ۱۳، حالی و شبلی کی تمام فارسی غزلوں کے اشعار کو جدید شعری اسلوب کے عین مطابق لکھا گیا ہے۔
- (۶) ایضاً، ص ۱۴
- (۷) شبلی نعمانی، مولانا، کلیاتِ شبلی فارسی، مرتبہ، سید سلیمان ندوی، اعظم گڑھ: مطبع معارف، س-ن، ص ۹۶
- (۸) حالی، مولانا خواجہ الطاف حسین، کلیاتِ نظم حالی، جلد دوم، ص ۳۷۰
- (۹) حضرت مائل، مولانا حالی کا فارسی کلام، مضمون مشمولہ، مشاہیر ادب اردو، حصہ دوم، مرتبہ، عابد رضا بیدار، پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، س-ن، ص ۴۲
- (۱۰) حالی، مولانا خواجہ الطاف حسین، ضمیمہ اُردو کلیاتِ نظم حالی، ص ۸
- (۱۱) شبلی نعمانی، مولانا، کلیاتِ شبلی فارسی، ص ۶۸
- (۱۲) ایضاً، ص ۸۵
- (۱۳) ایضاً، ص ۹۹
- (۱۴) ایضاً، ص ۸۸

- (۱۵) شمس الرحمن فاروقی، شبلی کی فارسی غزل، مضمون مشمولہ، صحیفہ، شبلی نمبر (لاہور)، مدیر، افضل حق قرشی و تحسین فراقی، ۲۰۱۴ء، ص ۳۴۴
- (۱۶) حالی، مولانا خواجہ الطاف حسین، ضمیمہ اُردو کلیاتِ نظم حالی، ص ۹
- (۱۷) شبلی نعمانی، مولانا، کلیاتِ شبلی فارسی، ص ۸۸
- (۱۸) اکرام، شیخ محمد، کچھ شبلی کی غزلوں کے بارے میں، مضمون مشمولہ، غزلیاتِ شبلی، مرتبہ، عابد رضا بیدار، پٹنہ: خدابخش اور نینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۵ء، ص ۱۱
- (۱۹) عطیہ بیگم، مولانا شبلی اور خاندانِ فیضی، ضمیمہ، شبلی نامہ، شیخ محمد اکرام، بمبئی: تاج آفس، س۔ن، ص ۲۷۳
- (۲۰) شہاب الدین دسنوی، سید، شبلی (معاندانہ تنقید کی روشنی میں)، دہلی: انجمن ترقی ہند، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۰
- (۲۱) شبلی نعمانی، مولانا، مکاتیبِ شبلی، حصہ اول، مرتبہ، سید سلیمان ندوی، اعظم گڑھ: مطبع معارف، طبع چہارم، ۱۹۶۶ء، ص ۱۷۰
- (۲۲) وحید قریشی، ڈاکٹر، شبلی کی حیاتِ معاشقہ، مرتبہ، عرفان احمد خان، لاہور: فکشن ہاؤس، س۔ن، ص ۵۲
- (۲۳) شبلی نعمانی، مولانا، کلیاتِ شبلی فارسی، ص ۷۶
- (۲۴) ایضاً، ص ۶۹
- (۲۵) حالی، مولانا خواجہ الطاف حسین، دیباچہ مسدس مدو جزر اسلام، مشمولہ، کلیاتِ نظم حالی، جلد اول، مرتبہ، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول ۱۹۶۸ء، ص ۲۱
- (۲۶) حالی، مولانا خواجہ الطاف حسین، ضمیمہ اُردو کلیاتِ نظم حالی، ص ۱۱
- (۲۷) ایضاً، ص ۱۶
- (۲۸) ایضاً، ص ۱۲
- (۲۹) شبلی نعمانی، مولانا، کلیاتِ شبلی فارسی، ص ۹۱
- (۳۰) حالی، مولانا خواجہ الطاف حسین، ضمیمہ اُردو کلیاتِ نظم حالی، ص ۱۲
- (۳۱) شبلی نعمانی، مولانا، کلیاتِ شبلی فارسی، ص ۸۳
- (۳۲) حالی، مولانا خواجہ الطاف حسین، ضمیمہ اُردو کلیاتِ نظم حالی، ص ۱۱

- (۳۳) شبلی نعمانی، مولانا، کلیاتِ شبلی فارسی، ص ۷۰
- (۳۴) ایضاً، ص ۷۶
- (۳۵) حالی، مولانا خواجہ الطاف حسین، ضمیمہ اُردو کلیاتِ نظمِ حالی، ص ۱۵
- (۳۶) شبلی نعمانی، مولانا، کلیاتِ شبلی فارسی، ص ۷۷
- (۳۷) ایضاً، ص ۶۹
- (۳۸) وحید قریشی، ڈاکٹر، شبلی کی حیاتِ معاشرت، ص ۷۲
- (۳۹) سلیم، ڈاکٹر محمد، شبلی نعمانی حیات و تصانیف، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۵ء، ص ۱۹۷